ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور پاکستان

شرعی حق مہر

شادی امیر بھی کرتا ہے اور غریب بھی۔ بعض ایسے غریب ہوتے ہیں کہ چند کوڑیوں کی سکت رکھتے ہیں اور بعض ایسے امیر ہوتے ہیں کہ دولت کے ڈھیر سنبھال بھی نہیں سکتے۔ اس لیے اسلام میں حق مہر کی مقدار کو معین نہیں کیا گیا بلکہ وسعت پر رکھا گیا ہے۔ نہ اتنا کم کہ خاندان کی تذلیل ہو اور نہ اتنا زیادہ کہ خاوند کی کمر توڑ کر رکھ دے۔

۲۲ ½ روپے جو شرعی مہر کے نام سے مشہور ہیں یہ مہر فاطمی کی قلیل مقدار کی وجہ سے شہرت پکڑ چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لڑکیاں حضرت عثمانؓ کو دی تھیں۔ حضرت عثمانؓ بڑے دولتمند تھے اس لیے ان کا حق مہر بھی زیادہ تھا۔ اگر مہر فاطمی کی قلیل مقدار سنت ہے تو کیا مہر عثمانی سنت نہیں ہے؟

(ابوالخیر اسدی)

۲۳ شعبان ۹۶ھ
۲۰ اگست ۷۶ء

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

"شرک" سب سے بڑا گناہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّ ھُوَ خَلَقَکَ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے آپؐ نے فرمایا۔ یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ اسی نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔

اس حدیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ جس سے ہر انسان کو بچنا چاہیئے۔ شرک کی مذمت قرآن مجید میں بھی اکثر مقامات پر آئی ہے۔ شرک سے مراد اللہ پاک کے سوا کسی اور کو اللہ کے برابر یا اس کے مقابل سمجھنا۔ مثلاً نباتات اور جمادات کو معبود بنا لینا۔ جیسے ہندوؤں نے تلسی کے پودے کو، برگد اور پیپل کے درخت کو اور مٹی و پتھر کی بے جان مورتیوں کو معبود بنا لیا یا کسی جاندار کو اللہ کے برابر سمجھنا۔ جیسے ہندوؤں نے گائے اور سانپ وغیرہ کی پوجا کی۔ کسی نے آگ کے آگے سجدے کئے یا کسی برقی طاقت کی پرستش کرنا جیسے چاند، سورج، ستارے وغیرہ یا کسی انسان کو اللہ کے برابر سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ ان کو بھی اللہ کے مانند انسانی زندگیوں پر کوئی اختیار ہے اور یہ بھی ہماری حاجات پوری کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ وہی ہماری زندگی، موت، معاش و سعادت، تقدیر و تدبیر، عقل و فہم، عزت و دولت، دکھ سکھ غرض سب پر مختار کل ہے۔ وہی خالق ہے وہی مالک ہے۔ اسی کے حضور سب کو پیش ہونا ہے۔

شرک تمام بدیوں کی جڑ، تمام گناہوں کا منبع، تمام بدیوں کی بنیاد اور تمام گمراہیوں کا سرآغاز ہے۔ اس سے انسان کے اعتقادات ناقص ہو جاتے ہیں، افعال و اعمال ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اخلاق و اطوار گندے ہو جاتے ہیں اور سرتاسر زندگی غلاظت اور آلودگی میں غرق ہو جاتی ہے۔

انسان جب شرک کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ ایک کشتی میں سوار ہونے کی بجائے کئی کشتیوں میں سوار ہو اور ظاہر ہے کہ یہ حالت ہمیشہ ناپائدار اور برباد کرنے والی ہوگی۔ اس سے پریشانیوں میں اضافہ ہوگا۔ زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ چین اور اطمینان اس سے دور بھاگے گا۔

ہمیں چاہیئے کہ اپنے اعتقادات اور اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان میں شرک کا عنصر تو نہیں۔ تاکہ اسے دور کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

خطرناک منافق

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس امت کے لیے اس منافق کو بڑا خطرناک سمجھتا ہوں جو حکمت بھری باتیں بناتا جائے اور ظلم و زیادتی پر عمل کرتا رہے۔

مشکوٰۃ۔ باب الریا صفحہ ۴۵۶

پاکستان اور امریکہ

پاکستان جو اسلامی نظریہ حیات کا مرہونِ منت ہے اس لحاظ سے ایک انتہائی بدقسمت ملک ہے کہ اس کو آج تک مخلص قیادت نصیب نہیں ہوئی اور اس کا ہمیشہ ایسے لوگوں سے واسطہ رہا جو اپنے سیاسی مفادات اور ضرورتوں کے پیشِ نظر اسلام کا نام تو لیتے رہے لیکن اسلام کا ایک حکم بھی نافذ و جاری کرنے میں خلوص کا مظاہرہ نہیں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز ۲۹ سال کے عرصہ میں اتنے زخم برداشت کر چکا ہے کہ الامان!

اس عرصہ میں اس کی جغرافیائی حدیں ہی نہیں بدلیں بلکہ وہ اپنے اکثریتی حصہ سے محروم ہوا۔ اس میں وہ تمام خرابیاں تھیں اور ہیں جو مسلمان قوم کے لیے کسی طرح بھی جائز و صحیح نہیں۔

داخلی محاذ سے لے کر خارجی محاذ تک آپ کسی بھی طرح جائزہ لیں آپ کو افسوسناک ہی نہیں شرمناک صورت تو نظر آئے گی، قابلِ اطمینان اور قابلِ رشک حالت کا سراغ مشکل سے ملے گا۔

دوسری باتوں سے قطع نظر اگر محض خارجہ پالیسی ہی کو دیکھیں تو آج ہماری حیثیت یوسف بے کارواں کی ہے اور اس دنیا میں شاید ہم ایسے بدقسمت ہیں کہ جن پہ کوئی بھی اعتماد نہیں کرتا اور نہ کوئی زیادہ اہمیت دیتا ہے اس کا سبب جیسا کہ میں نے عرض کیا اس مقدس مشن سے اعراض ہے جو ہمارے وجود ملی کا باعث اور ہمیں حیاتِ سرمدی عطا کرنے کا سبب ہے۔

اگر ہم اس چشمۂ صافی سے استفادہ کرنے والے ہوتے تو خدا کے آخری اور سچے نبی پر اترنے والی آخری کتاب کی وہ دفعات ہمارے سامنے ہوتیں جن کا تعلق خارجی زندگی سے ہے، لیکن چونکہ ہم اس کتاب مبین کا نام محض ضرورۃً لیتے ہیں عمل مقصد نہیں ہوتا اس لیے ہر میدان میں پٹ جانا ہمارا مقدر بن چکا ہے۔ چونکہ ابتدا ہی سے

ہمارے یہاں زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی جو مذہب و ملت کے بجائے محض اپنی خواہشات کے بندے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے تعلقات کی پینگیں بھی ایسے ہی افراد و اقوام سے جوڑنے کی کوشش کی جو وعدہ خلافی، بد دیانتی اور انسانیت کو دکھ پہنچانے میں اپنی مثال آپ ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد ایک عرصہ تک ہم براہ راست سرکار برطانیہ کے تابع مہمل رہے۔ حتیٰ کہ ہمارے یہاں کے انتہائی اہم اور ذمہ دارانہ مناصب پر وہ لوگ براجمان رہے جن کے دل معرکہ ہائے صلیب و ہلال میں اپنی پے در پے شکستوں کے پیش نظر جذبۂ انتقام سے بھرے ہوئے تھے اور یا پھر ایسے لوگ مسلط تھے جو بلاواسطہ نہیں تو بالواسطہ دنیائے سامراج سے اپنی وابستگی رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ظفر اللہ جیسے لوگوں کی مثال کافی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے بے پناہ اثرات استعمال کر کے ہماری خارجہ پالیسی کا رُخ ان خون آشام بھیڑیوں کی طرف پھیر دیا جو مدتوں خونِ مسلم سے اپنی حرص و آز کی آگ بجھاتے رہے اور اب بھی یہی خواہش رکھتے تھے۔

اس گروہ ناہنجار کی قیادت جب تو برطانیہ کے ہاتھ میں تھی لیکن جونہی اس کے اقتدار کو زوال شروع ہوا تو امریکہ نے آگے بڑھ کر زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور جب سے اب تک وہی ہے جو اس میدان میں انا ولا غیری کا دعویدار ہے۔ ہمارے مقتدر لوگوں نے برطانیہ سے اپنی طویل غلامانہ وابستگی کے پیش نظر اپنے آئندہ تعلقات امریکہ سے ایسے استوار کئے کہ وہ ہماری رگ رگ میں بس گیا اور من مانی کرنے لگا اور کر رہا ہے۔

قومی و ملی معاملات میں ہماری تیرہ بختی کا یہ عالم ہے کہ ہمارا پہلا وزیر اعظم روس اور امریکہ کی اعصابی جنگ میں روس کو کھلے بندوں رسوا کر کے امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے واشنگٹن گیا اور ایسا گیا کہ پاکستان کو وہاں کے کولڈ سٹوریج کی نذر کر آیا۔

جب یار لوگوں نے اس حد تک ہماری پستیوں کو بنظرِ خود دیکھ لیا تو پھر انہیں سب کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ اور انہوں نے وہ وہ کچھ کیا کہ پناہ بخدا۔

اقتدار کی تبدیلی کے فیصلے ان لوگوں نے اپنے یہاں کرائے اور اس سلسلہ میں محمد علی بوگرہ کا اقتدار واضح ثبوت ہے جو امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے تو وہاں سے سیدھے ایوان حکومت میں تشریف لا کر وزیر اعظم بن گئے۔ اور آج کے اقتدار کو بھی دیکھیں تو یہ بات غلط نہ ہو گی۔ مرحوم پاکستان کے نائب وزیر خارجہ نیو یارک کے ہوٹل میں ایسے وقت انفلوئنزا کے ہاتھوں کراہ رہے تھے۔ جب وطن کی سرحد پر آگ کے گولے برس رہے تھے اور جب آگ مشرقی پاکستان کو بھسم کر چکی تھی تو ان کا ٹمپریچر نارمل ہو گیا اور وہ سیدھے اسلام آباد تشریف لائے اور یحییٰ خان جیسے انسان سے اقتدار کی چابیاں حاصل کر لیں۔

میں نے عرض کیا کہ یار لوگ ہماری کمزوریوں سے شروع دن سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے ہمیں ہر موڑ پر رسوا کیا اور آج کے دور میں تو یہ باتیں اس کثرت سے ہو رہی ہیں کہ اگر ہمارے اندر زندگی کی رمق ہوتی تو ہم کچھ کر گزرتے۔

وہ دن ہم کیسے بھول جائیں جب ہمارا وزیر اعظم جسے آج ڈاکٹر کسنجر ان لفظوں میں خراج تحسین پیش کرتا ہے کہ وہ مجھ سے اچھی انگریزی جانتے ہیں امریکہ پہنچا ہوا ہے اور امریکی صدر اس سے ملنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ الگ بات ہے کہ بہانہ بیماری کا ہے۔

اور ابھی تازہ زخم یہ ہے کہ یہودی نژاد امریکی وزیر خارجہ مسٹر کسنجر پاکستان آئے، لاہور میں وزیر اعظم سے باتیں ہوئیں۔ اپنی مخصوص منافقانہ روش کے پیش نظر پاکستان کی خودمختاری و سلامتی کو امریکی خارجہ پالیسی کا حصہ بتلایا۔ لیکن فرانس پہنچتے ہی واضح طور پر اعلان کر دیا کہ ایٹمی ترقی کے لیے پاکستان نے فرانس سے کچھ لیا تو پھر امریکہ کی دوستی سے محروم ہونا پڑے گا۔

اگر ہمارے اندر قومی غیرت و خودداری ہوتی تو عالمی سامراج کے اس یہودی ایجنٹ کی لاف زنی کا واضح اور دو ٹوک جواب یہ تھا کہ اس کو کہہ دیا جاتا۔

فاقض ما انت قاض انما تقضی ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا۔

اور یہ کہہ کر امریکہ سے ہر قسم کے تعلقات توڑ لیے جائے لیکن افسوس کہ وہ جوہر جن کی بنیادوں پر قومیں یہ قدم اٹھاتی ہیں ہم شاید ان سے محروم ہو چکے ہیں۔

آخر ۲۹ سال میں امریکہ کی دوستی سے ہمیں کیا فائدہ ہوا؟ سوائے اس کے کہ اس کی خوشنودی کے لیے روس سے تعلقات بگاڑے۔ اس کے بحری بیڑے سمندر میں چکر لگاتے رہے اور ہم مشرقی پاکستان سے محروم ہو گئے۔ اور آج وہ ایٹمی ضروریات نہ پوری کرتا ہے اور نہ کہیں سے پوری کرنے دیتا ہے اور جن سے ہمارے اختلافات واضح ہیں ان کو نوازنے میں نہیں شرماتا۔

اگر ہماری نحیف و نزار آواز بلند و بالا ایوان تک پہنچ سکتی ہے تو ہم ارباب اقتدار سے کہیں گے کہ اب وقت آگیا ہے کہ امریکہ کے ساتھ تعلقات کا اس کے ۲۹ سالہ کردار کی روشنی میں بھرپور جائزہ لے کر واضح اور دوٹوک پالیسی اختیار کی جائے اور اس پر واضح کر دیا جائے کہ ہم تمہارے گھڑے کی مچھلی بن کر نہیں رہ سکتے۔

اگر ایسا ہو گیا تو ہم اقوام عالم میں باعزت مقام حاصل کر کے اپنے وسائل سے اپنے مسائل حل کر سکیں گے۔ ورنہ ....

صدائے اسلام پشاور پر پابندی

پشاور کے مشہور دینی ادارہ جامعہ اشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان ماہنامہ "صدائے اسلام" بند کر دیا گیا۔ اس کی خبر ہمیں آج کی ڈاک سے موصول ہوئی۔ خبر دینے والے ہیں مولانا محمد اشرف علی قریشی جو اس دینی مجلہ کے ایڈیٹر ہیں۔

انہوں نے اپنے خط میں اس بات کا بڑے دکھ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ گزشتہ دنوں وزیر اعظم بھٹو نے پشاور میں پردہ شرعی سے متعلق جو تقریر کی تھی اس کا نوٹس لینے کے پیش نظر حکومت سرحد نے پرچہ کا ڈیکلیریشن منسوخ کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

ہمیں اس خط کو پڑھ کر انتہائی دکھ ہوا کیونکہ پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دوسرے شعبوں کی طرح دنیائے صحافت میں بھی حکومت خود ان ذمہ داریوں کے پیش نظر دین و علم کی خدمت کرتی لیکن اس نے آج تک ایسا نہ کیا اور جو چند رسائل و جرائد بے سروسامانی کے باوجود قوم و ملک کے ملی تشخص کے لیے سرگرم عمل اور مصروف جہد ہیں ان کو اس طرح پابند سلاسل کرنا آخر کہاں کی دانشمندی ہے؟

یہ تو صحیح ہے کہ حکومت کو اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ شعبہائے دین و ایمان کے معاملہ میں کوئی مثبت قدم اٹھائے اور نہ ہم لوگوں نے کبھی حکومت سے اس کی خواہش کی لیکن یہ کتنا ظلم ہے کہ ان اکا دکا پرچوں کا محض کلمۃ الحق کی پاداش میں گلا گھونٹ دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ پردہ خدا کا حکم ہے نبیؐ کا ارشاد ہے۔ ملت کا دینی شعار ہے۔ ملت کا متدین طبقہ آج تک اس کی پابندی کر رہا ہے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانا نہ صرف غیرت ملی کو چیلنج کرنا ہے بلکہ خدا و رسولؐ کے احکامات کی صریح مخالفت و خلاف ورزی بھی ہے۔ اور اس خلاف ورزی پہ ٹوکنا جب جرم ہو جائے تو پھر نہ معلوم ہمارا حشر کیا ہو گا۔

وطن عزیز جن تباہ کن بارشوں اور سیلابوں کا شکار ہے۔ ان کے پس منظر میں اجتماعی اعمال کا جائزہ ازبس ضروری ہے۔ اور اس سے غفلت مزید آفات کو دعوت دینے والی بات!

ہم حکومت سرحد سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس ناجائز اور صریح ناجائز حکم کو فوراً واپس لے اور اس کے اس اقدام سے ملی و دینی طور پر جو نقصان ہوا اس کی تلافی کا فوراً انتظام کرے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

اتباعِ نبویؐ ۞ تمام امراض کی دوا

شیخِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

بعد الحمد والصلوٰۃ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔

صدق اللہ العظیم ۔

آج کی رات بہت زیادہ مبارک ، مقدس ، برکت والی ، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور تلاوتِ قرآن کرنے والی رات ہے ۔ صبح کو روزہ رکھنے کے لیے مسلمانوں میں رواج ہے ۔ احادیث اور قرآن سے اس کا واضح ثبوت جیسا کہ روزہ وغیرہ کے لیے ہے تو نہیں ملتا ۔ اور اسریٰ کی رات جو پچھلے دنوں گزری اس کا قرآن میں واضح ذکر ہے ۔ لیکن اس شب برات کے متعلق علماء کے اندر اختلاف ہے تاہم کچھ نہ کچھ اس کے متعلق احادیث ہیں ۔ بعض حضرات نے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی لیلۃ مبارکہ سے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد بھی لیلۃ القدر ہی ہے اور لیلۃ القدر کی کیا بات ہے ۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ۔ اسی لیلۃ القدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک قرآن اترا ۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً قرآن اُترتا رہا ۔ اور ۲۳ سال میں پورا ہوا ۱۳ سال مکہ میں ۱۰ سال مدینہ میں ۔ تو وہ لیلۃ القدر والی رات تو انتہائی بابرکت اور مقدس ہے ۔ وہ رات رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے احادیث مروی ہیں ۔ اسے خدا نے پوشیدہ اس لیے رکھا کہ مسلمان متعین شدہ رات میں عبادت کر کے پھر خاموش ہو کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ ان کا شوق و اشتیاق زیادہ سے زیادہ عبادت کا باعث ہو ۔

یہ شعبان کا مہینہ ویسے ہی بڑا بابرکت ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے حضرات اس سلسلہ میں روایات نقل کرتے ہیں آپ نے اسے شہری یعنی اپنا مہینہ قرار دیا اور ایام بیض وغیرہ کے روزے تو آپ تقریباً ہر ماہ رکھتے لیکن شعبان میں بکثرت روزے رکھتے ۔ ایام بیض سے مراد ہر مہینہ کی ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ تاریخ کو کہتے ہیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ روزے رکھے اور کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے کے بعد شدائد و آلام کا جو دور آیا اور اس میں ان کے بدن مبارک کا رنگ کالا پڑ گیا تو ان روزوں کی برکت سے خدا نے اسے سفید کر دیا ۔

بہر حال یہ رات کثرتِ عبادت کی رات ہے اور حضور علیہ السلام نے خود بہت عبادت فرمائی اور جو جتنی عبادت کر گیا آپؐ کی تابعداری کے پیشِ نظر وہ آپ کا اتنا ہی قرب حاصل کر گیا ۔ فرمایا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہو گی ۔ سب سے زیادہ دعا اس بات کی ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے حضور علیہ السلام کی تابعداری کی توفیق نصیب فرمائے ۔ جب یہ بات نصیب ہو جائے گی تو سب مشکلات دور ، سب غم غلط اور اسی کے صدقہ اللہ کی محبت اور قرب نصیب ہو گا فَاتَّبِعُوْنِیْ

(باقی صـ ۱۴ پر)

خطبۂ جمعہ — ضبط و ترتیب : ادارہ

امتِ محمدیہ خیر الامم ہے
ایسا کیوں ؟

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

بزرگانِ محترم ، معزز خواتین ! آج کی معروضاتِ جمعہ کا عنوان ہے ۔ سب سے بہترین امت مسلمان ہیں ۔ اس سے قبل بھی کئی مواقع پر اس عنوان کے تحت آپ سے گفتگو کر چکا ہوں ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر اس عنوان کو تا زیست بیان کرتا رہوں تو پھر بھی اس کی گہرائی اور گیرائی اختتام کو نہیں پہنچ سکتی ۔

دنیا کی پیدائش کا مقصد

آپ سب حضرات مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ بات جانتے ہوں گے اور اگر نہیں جانتے تو جاننی چاہیے کہ دنیا کی پیدائش اور اس کی تخلیق کی غرض و غایت اور مقصد اصلی خداوند کریم کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت اور پہچان ہے ۔ اگر ایک شخص صحیح طور پر خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کو نہیں جانتا لیکن اس کو دعوےٰ ہے کہ وہ ایک مہذب ، روشن خیال اور نہایت اخلاق کریمانہ کا مالک انسان ہے تو یہ دعویٰ اس کا ڈھول کا پول ہے ۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں ۔ انسان اپنے آپ کو صرف وہی شخص کہلا سکتا ہے ۔ جس کو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات پر اس کا کامل یقین ہو ۔

معرفتِ خداوندی کیسے حاصل ہو ؟

جب دنیا کی پیدائش کی اصل غرض و غایت معرفتِ خداوندی ہے تو یہ معرفت کیسے حاصل ہو گی ؟ اس کا حصول اس وقت ممکن ہے ، جب بنی نوع انسان کو ہر قسم کی برائیوں ، بداعمالیوں ، ہر قسم کی سیئات اور ہر قسم کی روحانی غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک و صاف کر کے جملہ قسم کی بھلائیوں ، کمالات ، خوبیوں اور اچھائیوں سے آراستہ و مزین کر لیا جائے ۔ اس عظیم مشن اور مقصد کے لیے سینکڑوں انبیاء اور رسل اس دنیا میں مبعوث ہوئے ۔ اسی مقصد کی طرف دعوت دیتے رہے ۔ اور آخر میں اس مقصدِ عالی کی تکمیل کے لیے سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا گیا ۔ جب اس مقصد کی تکمیل ہو گئی تو دنیا والوں کو یہ مژدہ جانفزا سنایا گیا ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا کہ آج کے دن تم پر میں نے تمہارا دین اکمل کر دیا ۔ تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ۔ اور دین کے لحاظ سے اسلام تمہارے

لیے پسند کر لیا۔ جس طرح اس مقصدِ عالی کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی طرح نبوت و رسالت کی تکمیل بھی آپؐ پر کر دی گئی۔ جب مقصد کی تکمیل ہو چکی تو نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر کے خاتم النبیین کا تاج آپؐ کو پہنا دیا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب نبوت ختم ہو گئی اور مقصد کی تکمیل ہو چکی تو کیا اب اس مقصد کی طرح دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی ساقط ہو گیا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ نبوت کی تکمیل تو ہو چکی لیکن جس مقصد کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا عمر دعوت دیتے رہے۔ اب اس مقصد کی طرف دعوت دینے اور بلانے کا کام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر ڈال دیا گیا۔

اب دعوت و تبلیغ اور اشاعت و ترویج مقصد اصلی کا فریضہ تا قیام قیامت امتِ محمدیہ کے ذمہ ہے وہی اس کو جاری و ساری رکھے گی۔ اسی بناء پر اعلان ہوا کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اُمتِ محمدیہ کا خیر الامم کہلانے کی وجہ

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان خیر الامم ہیں لیکن اس وقت تک کہ وہ بھلائی اور نیکی کو پھیلاتے رہیں۔ جب تک وہ یہ فریضہ انجام دیتے رہیں گے فلاح و بہبود اور ہر قسم کی کامرانی و کامیابی اُن کے قدم چومے گی۔ زمین خزانے اگل کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دے گی۔ اور آسمان اپنی رحمتوں کی بارشیں ایسے لوگوں پر برسائے گا اور اگر امت محمدیہ اس کام سے غافل ہو گئی، اس کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کو چھوڑ بیٹھی تو خدا کی لعنت و پھٹکار اور قہر و غضب کی مستحق ہو گی۔ جس طرح پہلی قوموں پر خدا کی لعنت اور پھٹکار پڑی۔

قرآن کریم میں ہی ذکر ہے کہ جو لوگ بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے۔ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت کی گئی۔ اس لعنت اور علت کی وجہ خود قرآن نے یہ بیان کی لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ کہ جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔

اس مضمون کو مختلف احادیث میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر۔ پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا، بیٹھتا، کھاتا، پیتا۔ گویا کل اس کو گناہ کرتے دیکھا ہی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے دلوں کو بعض کے دلوں کے ساتھ خلط کر دیا۔ اور ان کے نبی حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت کی۔ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکو اور چاہیے کہ بے وقوف نادان کا ہاتھ پکڑ دو، اس کو حق بات پر مجبور کرو۔ ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے۔ اور پھر تم پر بھی لعنت ہو گی۔ جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کا کام کرتا اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہ روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ عذاب بھیج دیتے ہیں۔ یعنی دنیا میں ہی ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب میری امت دنیا کو قابل وقعت و عظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت و ہیبت ان کے

دلوں سے نکل جائے گی۔ اور جب امر بالمعروف اور
نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے
محروم ہو جائے گی۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے
کو سب و شتم کرنا اختیار کرے گی تو خداوند قدوس
کی نگاہوں سے گر جائے گی۔

قرآن کریم کی آیات اور اشاراتِ پیغمبر سے یہ بات
آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ جب ہم امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر سے غافل ہو جائیں گے تو ہماری
یہ غفلت پرستی و کاہلی خدا کی لعنت اور رب تعالیٰ
کے غضب اور عذاب کا باعث ہو گی۔ نصرتِ
خداوندی سے محروم ہو جائیں گے، خدا تعالیٰ کی غیبی
امداد اٹھ جائے گی، ذلت و خواری میں مبتلا ہو
جائیں گے۔ مصائب و مشکلات سے دوچار ہوں گے۔
قدم قدم پر آفات و آلام اس امت کا راستہ
روکیں گے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہو گا کہ ہم نے
اچھائی کا حکم نہیں دیا۔ اور برائی سے لوگوں کو منع
نہیں کیا۔

اہم ترین فریضہ

حالانکہ یہ ایسا فریضہ ہے جس کو حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے لیے لازمی جز قرار
دیا۔ اور اس کے چھوڑنے کو ایمان میں ضعف اور
ایمان میں کمی کی علامت بتلایا۔ فرمان رسول یوں ہے
مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ
فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ
یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔
یعنی تم میں سے کوئی شخص جب برائی کو دیکھے تو
اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس
برائی کو دور کرے۔ اور اگر اس کی طاقت نہیں ہے
تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت
نہیں ہے تو دل سے برا سمجھے اور یہ آخری صورت
ایمان کی کمزوری اور ضعف کا درجہ ہے۔

ان قرآنی ارشادات اور احادیث نبویہ کو سننے
کے بعد آپ سوچیں کہ کیا ہم اس فریضہ کو انجام
دے رہے ہیں یا ہمارے معاشرے میں برائی اور بدی
کہیں ہے ہی نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو کیا ہم
نے کبھی اس کے خلاف آواز بلند کی؟ اس سے کسی
کو روکا؟ کیا ہمارے گھر، ہمارا محلہ، ہماری سوسائٹی اور
ہمارا معاشرہ تمام برائیوں سے پاک و صاف ہو چکا
ہے؟ کیا ہمارے گھروں میں مغربی تہذیب و تمدن
نہیں ہے؟ مغربی لباس اور یورپی رہن سہن نہیں ہے؟
ریڈیو اور ٹیلیویژن کی لعنت نہیں ہے؟ چھوٹوں پر
شفقت اور بڑوں کی تعظیم کا جذبہ ہمارے اندر پایا
جاتا ہے۔ اسی طرح کیا ہمارے محلہ میں ہر موڑ اور ہر
گلی کوچے میں غنڈے نہیں دندنا رہے ہوتے کیا دوسروں
کی ماؤں بہنوں کو نہیں چھیڑا جاتا، کیا ان سے فحش
حرکات سرزد نہیں ہوتیں؟ اور کیا بڑے قماش کی عورتیں
بدمعاش قسم کے مردوں کو دعوتِ گناہ نہیں دے
رہی ہوتیں؟

ہماری محافل اور خدا کی نافرمانی

اسی طرح کیا ہماری سوسائٹی اور ہماری مجالس و
محافل میں اپنے ہی بھائیوں کی غیبت نہیں کی جاتی؟
کیا اپنے ہی بھائیوں کو فریب اور دھوکا دینے کے
منصوبے پروان نہیں چڑھتے؟ کیا اپنے ہی بھائیوں کو
لوٹنے، ان کے گلے کاٹنے، ان کی تحقیر اور تذلیل کی
سازشیں نہیں تیار کی جاتیں؟ اور کیا اپنے ہی بھائیوں
کو تمسخر اور مذاق کا نشانہ بنا کر ان کی عزت و ناموس
کو نہیں گرایا جاتا۔ اگر یہ برائیاں ہم میں موجود ہیں
تو کیا پھر بھی ہم اپنے آپ کو خیر امم کہلانے کے مستحق
ہیں؟ نہیں قطعاً نہیں۔ کسی صورت میں نہیں۔

اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے ملکی حالات پر نظر
ڈالیے۔ کیا ملک میں نیکی عروج پر ہے یا بدی ہر طرف
محو رقص ہے؟ کیا ملک میں ہر طرف چین اور سکون ہے
یا آرام و سکون غارت اور افراتفری کا عالم ہے؟
کیا ملک میں ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہے؟
یا ظلم و ستم اور جور و جفا کی حکمرانی ہے؟ کیا ہر
شخص اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہے؟ یا اسے

ہر لحظہ ڈاکہ، چوری، اغوا اور قتل کا دھڑکا لگا
ہوا ہے۔ کیا ہر شخص کو آسانی کے ساتھ بازار سے
سودا ملتا ہے یا اسے ڈپو ہولڈروں کے گھروں اور
دکانوں کا طواف کرکے چینی، آٹا وغیرہ بلیک
حاصل کرنا پڑتا ہے؟ کیا اشیاء کا نرخ اعتدال
پر ہے؟ یا دن بدن رشوت خور، حاکموں اور ذخیرہ اندوز
سرمایہ داروں کی ملی بھگت سے چڑھتا ہی جا رہا ہے۔
کیا شراب کی دکانیں ختم ہو چکی ہیں؟ یا دن بدن
شراب کے لائسنس اور پرمٹ تقسیم ہو کر عوام کو
شراب کا عادی بنا رہے ہیں؟ کیا نائٹ کلب
سر بمہر ہو چکے ہیں یا دن بدن ان کی رونق بڑھتی
ہی جا رہی ہے؟ کیا رقص گاہوں میں قفل پڑ چکے
ہیں یا آئے دن وہاں طبلے کی تھاپ اور گھنگھروں کی
جھنکار میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اگر ہمارے ملک
میں یہ سب خباثتیں موجود ہیں اور جواب اثبات
میں ہے۔ اس کے باوجود ہم ساکت و جامد اور بے حس و
حرکت بیٹھے رہے۔ اور خاموش تماشائی بن کر یہ سارا
ڈرامہ دیکھتے رہے۔ جب کہ یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔
کہ یہ سارے امور حکومت کی نگرانی میں انجام پا رہے
ہیں۔ لیکن پھر بھی ہم ایسے خدا اور رسولؐ کے باغی
اور قوم و ملک کے دشمن حکمرانوں کو برداشت کرتے
رہے اور ان کے خلاف کبھی بھی حرفِ شکایت زبان
پہ نہ لائے۔ ان کی خرمستیوں اور بدمعاشیوں کو دیکھتے
رہے لیکن ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ خدا سے یہ امید
بھی لگائے رکھی کہ ہم پر رحمتِ خداوندی اترے گی۔ خدا
کی بخشش آگے بڑھ کر ہمیں ڈھانپ لے گی، تو
معاف کیجئے یہ ہماری عقل کی کجی اور اور فہم کی کمی
ہے۔ ایسی حالت میں تو قرآن و حدیث کی رو سے
ہم پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہی اتر سکتی ہے۔
اور خدا کے قہر و غضب کے ہم مستحق ہو سکتے ہیں۔
نہ کہ رحمتِ خداوندی اور رب تعالیٰ کے فضل و کرم
کے۔ لبنان کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح
وہاں ملکی اور غیر ملکی سیاحوں اور مسافروں نے خدا
کی حدود کو توڑا، فحاشی و عریانی سے اپنے دلوں کو
جوڑا۔ لیکن خدا نے بہت عرصہ تک ان کو ڈھیل دی۔
لیکن جب پکڑا تو کئی مہینے گزرنے کے بعد آج بھی
ان کو خدا کی پکڑ سے نجات نہیں مل سکی۔ آج مشرق
وسطیٰ کا عالیشان لبنان کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے
اگر ہماری بھی یہی حالت رہی، حکمران داد عیش دیتے
رہے اور عوام ٹکٹکی باندھے یہ تماشا دیکھتے رہے
تو نامعلوم خدا کا قہر و غضب کب ہمیں اپنی لپیٹ
میں لے لے۔ اس سے پہلے ہمیں اپنا اور اربابِ حل و
عقد کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر ؎
"تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں"
اللہ سب کو عمل کی توفیق سے نوازے ——— آمین!
یا الٰہ العالمین!!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چھ لعنتی

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں چھ قسم کے لوگوں
پر لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت
کی ہے اور یقین رکھو کہ ہر ایک نبی کی دعا ضرور قبول ہوتی
ہے۔ (وہ چھ قسم کے لوگ یہ ہیں)

- اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اضافہ کرنے والا۔
- اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔
- جبر و تشدد سے حکومت کرنے والا جو کہ اللہ کے ہاں عزت والوں کو ذلیل کرے اور اللہ کے ہاں ذلیل لوگوں کو عزت دے۔
- اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے والا۔
- اور میری اولاد میں سے ہوتے ہوئے بھی اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے والا۔

اور

- میرے طریقہ (سنت) کو چھوڑنے والا!

(بیہقی و رزین۔ تذکیر الاخوان ص ۱۱۲)

تاریخ اسلام کے چند ضروری اعداد و شمار

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف ۲۰ر اپریل سنہ ۵۷۱ء
۲- ولادت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ — سنہ ۵۷۳ء
۳- ولادت حضرت عثمان غنی رضؓ — سنہ ۵۷۵ء
۴- وفات حضرت آمنہ خاتون — سنہ ۵۷۷ء
۵- وفات حضرت عبدالمطلب — سنہ ۵۷۹ء
۶- ولادت حضرت فاروق اعظم رضؓ — سنہ ۵۸۲ء
۷- ملک شام کا پہلا سفر — سنہ ۵۸۲ء
۸- ملک شام کا دوسرا سفر — سنہ ۵۹۵ء
۹- حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ سے نکاح — سنہ ۵۹۶ء
۱۰- ولادت حضرت قاسم ابن آنحضرتؐ — سنہ ۵۹۸ء
۱۱- ولادت حضرت زینب رضؓ بنت آنحضرتؐ — سنہ ۶۰۰ء
۱۲- وفات حضرت قاسم ابن آنحضرتؐ — ״
۱۳- ولادت علی مرتضیٰ رضؓ — ״
۱۴- تعمیر خانہ کعبہ و نصب سنگ اسود — سنہ ۶۰۵ء
۱۵- آغاز وحی (رمضان) — سنہ ۶۱۰ء
۱۶- ولادت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ — سنہ ۶۱۳-۱۴ء
۱۷- اسلام حضرت ابوبکر رضؓ — سنہ ۱ نبوی
۱۸- اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ — ״ ״
۱۹- اسلام حضرت علی مرتضیٰ رضؓ — ״ ״
۲۰- ولادت حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ — ״ ״
۲۱- کوہ صفا پر آنحضرتؐ کا پہلا وعظ — سنہ ۳ ״
۲۲- ہجرت بجانب حبش پہلی بار — سنہ ۵ ״
۲۳- حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کا قبول اسلام — سنہ ۶ ״
۲۴- مقاطعہ قریش یعنی شعب ابی طالب میں بنو ہاشم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی محصوری — سنہ ۷-۸-۹ ״
۲۵- آنحضرتؐ کا سفر طائف — سنہ ۱۰ ״
۲۶- وفات حضرت خدیجہ رضؓ و ابو طالب — ״
۲۷- حضرت عائشہ رضؓ و حضرت سودہ رضؓ سے آنحضرتؐ کا عقد — ״
۲۸- واقعہ معراج اور نماز پنجگانہ کا حکم — سنہ ۹-۱۰ ״

۲۹- بیعت عقبہ اولیٰ — سنہ ۱۱ نبوی
۳۰- بیعت عقبہ ثانیہ — سنہ ۱۲ ״
۳۱- ہجرت مدینہ منورہ ۸ر ربیع الاول سنہ ۱ھ (مطابق ۲۰ر دسمبر سنہ ۶۲۲ء)
۳۲- تعمیر مسجد قبا — ״ ״
۳۳- مدینہ کا پہلا جمعہ و پہلا خطبہ — ״ ״
۳۴- آغاز تعمیر مسجد نبوی — ״ ״
۳۵- یہودیوں سے معاہدے — ״ ״
۳۶- ولادت حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ — ״ ״
۳۷- غزوۂ بدر (رمضان) — سنہ ۲ھ
۳۸- وفات حضرت رقیہ رضؓ بنت آنحضرتؐ — ״
۳۹- غزوۂ بنی قینقاع — ״
۴۰- غزوۂ سویق — ״
۴۱- نکاح حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ — ״
۴۲- غزوۂ احد (شوال) — سنہ ۳ھ
۴۳- شہادت حضرت حمزہ رضؓ — ״
۴۴- حضرت حفصہ رضؓ و حضرت زینب رضؓ سے آنحضرتؐ کا عقد — ״
۴۵- حضرت ام کلثوم رضؓ بنت آنحضرتؐ کا عقد حضرت عثمان رضؓ سے — ״
۴۶- ولادت حضرت حسن مجتبیٰ رضؓ — ״
۴۷- اعلان حرمت شراب — سنہ ۴ھ
۴۸- غزوۂ بنو نضیر — ״
۴۹- حضرت ام سلمہ رضؓ سے آنحضرتؐ کا عقد — ״
۵۰- ولادت حضرت حسین رضؓ شہید کربلا — ״
۵۱- غزوۂ مریسیع، واقعہ افک، غزوۂ احزاب — ״
۵۲- یہودی قبیلہ بنی قریظہ کا خاتمہ — ״
۵۳- حضرت جویریہ رضؓ سے آنحضرتؐ کا عقد — ״
۵۴- بیعت رضوان — سنہ ۶ھ
۵۵- صلح حدیبیہ — ״
۵۶- شاہان عالم کے نام آنحضرتؐ کے دعوتی خطوط — ״

۵۷۔ غزوۂ خیبر — سنہ ۶ھ

۵۸۔ حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت صفیہؓ سے آنحضرتؐ کا عقد — 〃

۵۹۔ غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین، جنگ اوطاس و محاصرہ طائف — سنہ ۸ھ

۶۰۔ ولادت حضرت ابراہیم ابن آنحضرتؐ — 〃

۶۱۔ وفات حضرت زینب بنت آنحضرتؐ — 〃

۶۲۔ واقعہ ایلا۔ غزوۂ تبوک — سنہ ۹ھ

۶۳۔ حجۃ الوداع اور وفات حضرت ابراہیم ابن آنحضرتؐ — سنہ ۱۰ھ

۶۴۔ آنحضرتؐ کی وفات کا حادثۂ ہوشربا ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ — سنہ ۱۱ھ

۶۵۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت خلافت — 〃

۶۶۔ فتنۂ ارتداد، مسیلمہ کذاب کا قتل، عراق پر فوج کشی — سنہ ۱۲ھ

۶۷۔ وفات حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت اسامہؓ بن زید کی امارت — 〃

۶۸۔ حضرت خالدؓ کی فتوحات، کاظمہ، مدار، ولجہ، انبار، کرخ — 〃

۶۹۔ ملک شام پر فوج کشی، دمشق کا محاصرہ — سنہ ۱۳ھ

۷۰۔ وفات حضرت صدیقؓ اور بیعت خلافت حضرت عمرؓ

۷۱۔ فتح قادسیہ، فتح دمشق و حمص — سنہ ۱۴ھ

۷۲۔ جنگ یرموک — سنہ ۱۵ھ

۷۳۔ مدائن میں اسلامی فوج کا داخلہ و فتح عراق — سنہ ۱۶ھ

۷۴۔ فتح بیت المقدس و خوزستان — 〃

۷۵۔ فتح جزیرہ اور عراق عجم پر مسلمانوں کا حملہ — سنہ ۱۷ھ

۷۶۔ حضرت خالدؓ کی معزولی اور حرم کی توسیع — 〃

۷۷۔ مسجد نبوی کی توسیع — سنہ ۱۸ھ

۷۸۔ فتح ملک شام — سنہ ۱۹ھ

۷۹۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی مصر پر فوج کشی — سنہ ۲۱ھ

۸۰۔ فتوحات رے، فارس، اسکندریہ، طبرستان، آذربائیجان و خراسان وغیرہ — سنہ ۲۲ھ

۸۱۔ کرمان اور سندھ پر مسلمانوں کا حملہ — سنہ ۲۳ھ

۸۲۔ شہادت حضرت فاروق اعظمؓ اور بیعت حضرت عثمان غنیؓ — یکم محرم سنہ ۲۴ھ

۸۳۔ ایشیائے کوچک پر حضرت معاویہؓ کا تسلط — سنہ ۲۵ھ

۸۴۔ طرابلس، تیونس، مراکش اور الجزائر کی فتح — سنہ ۲۷ھ

۸۵۔ حضرت معاویہؓ کا قبرص پر تسلط اور بحری بیڑہ کا آغاز — 〃

۸۶۔ مصحف صدیقی کی اشاعت — سنہ ۲۸ھ

۸۷۔ ایران اور خراسان پر اسلامی قبضہ اور تعمیر مسجد نبوی — سنہ ۲۹ھ

۸۸۔ غزنہ وغیرہ پر قبضہ اور کابل تک اسلامی تسلط — سنہ ۳۰ھ

۸۹۔ فتنۂ ابن سبا کا آغاز — سنہ ۳۱ھ

۹۰۔ حضرت معاویہؓ کا قسطنطنیہ پر حملہ — سنہ ۳۲ھ

۹۱۔ ابن سبا کا بصرہ سے اخراج اور مصر و کوفہ میں قیام — سنہ ۳۳ھ

۹۲۔ کوفہ سے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کا آغاز — سنہ ۳۴ھ

۹۳۔ مدینہ پر باغیوں کی یورش، شہادت حضرت عثمانؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت — سنہ ۳۵ھ

۹۴۔ جنگ جمل — سنہ ۳۶ھ

۹۵۔ جنگ صفین اور واقعہ تحکیم — سنہ ۳۷ھ

۹۶۔ خوارج کا آغاز اور حضرت معاویہؓ کا دعوائے خلافت — سنہ ۳۸ھ

۹۷۔ حضرت مرتضیٰؓ کی شہادت، آغاز خلافت حضرت حسن مجتبیٰؓ اور دست برداری بحق حضرت معاویہؓ — سنہ ۴۱ھ

امام غزالیؒ کا تصوف پر کیا اثر ہوا

امام صاحب نے یہ سب کچھ حاصل کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو تصوف کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ رفتہ رفتہ جب اس میدان میں آپ طاق ہو گئے تو پھر تصوف نے آپ سے رنگ لینا شروع کر دیا حتیٰ کہ امام صاحب نے تصوف پر اپنے گہرے اثرات مرتب کر دیئے۔ چنانچہ حکماء اسلام اور صوفیہ کی کتب اور احوال کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بزرگ سر تا پا اس الہیات کے پیرو ہیں۔ جسے امام غزالیؒ نے اسرارِ شریعت سے تعبیر کیا ہے اور جس کے بارے میں امام صاحب کو اصرار تھا کہ وہ عام نہ ہونے پائے۔ حضراتِ صوفیہ اور فلاسفۂ اسلام کے سرگروہ مولانا رومؒ، شیخ الاشراقؒ، امام رازیؒ، ابن رشد اور شاہ ولی اللہؒ نے جو نبوت، وحی، الہام، حالات مابعد الموت، معاد، قضاء و قدر اور خیر و شر کی حقیقت کے بارے میں لکھا ہے امام غزالیؒ ہی سے سن کر لکھا ہے۔ ان بزرگوں کی تصانیف درحقیقت امام غزالیؒ ہی کے خیالات کا آئینہ ہیں۔

علامہ صدر الدین شیرازیؒ باوجود اختلافِ مذہب کے، الہیات میں امام غزالیؒ کے خوشہ چین ہیں۔ اور سند کے طور پر امام صاحب کی عبادت صفحے کے صفحے نقل کرتے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے دونوں گروہ اربابِ ظاہر و باطن، امام صاحب ہی کے خیالات کی تصویر کے دو رخ ہیں۔ الغرض امام صاحب کے بعد تشریف لانے والے جس صوفی کے احوال اور تصوف پر لکھی جانے والی جس کتاب کو غور سے دیکھا جائے تو اُسی پر امام صاحب کے احوال اور تحقیقات کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

امام صاحب کی کتاب کیمیائے سعادت دراصل احیاء العلوم کا فارسی لباس ہے۔ اس کتاب اور امام صاحب کے فارسی اشعار نے فارسی زبان کو تصوف سے آشنا کیا۔ فارسی نثر میں صوفیانہ خیالات کی آمیزش کے بعد فارسی شاعری میں بھی سچے جذبات اور احساسات آ گئے۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ نے سادگی کے ساتھ صوفیانہ خیالات ادا کیے۔ عارف رومیؒ نے اس میں گرمی پیدا کی اور پھر سعدیؒ حافظؒ اور عرفیؒ نے اس شراب کو اس قدر تیز کر دیا کہ

حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار

امام غزالی پر تصوف کا اثر

جس آدمی کا تعلق جب براہِ راست صمد احد اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے تو پھر وہ بھی بے پروائی اور بے نیازی کے مظاہر کرنے لگ جاتا ہے۔ امام غزالیؒ جب تصوف کی وادی کی پیمائش کر لیتے ہیں تو ان کے اندر بھی خودداری، بے نیازی اور استغناء پوری طرح جوان نظر آتے ہیں۔ دنیا، وزارت، حکومت و سلطنت ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ آپ سلاطین کو سرِ عام ٹوکتے تھے۔ ان سے کسی قسم کی توقع یا ڈر نہیں رہا تھا۔ ظلم سے باز رکھنے اور عدل قائم کرنے کے لئے ان کو کھلے خطوط لکھتے تھے۔ حق کے معاملہ میں بادشاہِ وقت سے بھی ٹکر لینے میں گریز نہ کرتے تھے۔ یہ جراءت و حق گوئی انہیں تصوف کے صدقہ سے ملی تھی۔

امام غزالیؒ اور دنیا پرست صوفیہ

دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے ریاکاری، خوشامد، چاپلوسی، مخلوق کی رضا جوئی اور بظاہر تقویٰ کا اظہار جیسے افعال کا ارتکاب بہت ہی خطرناک ہے خصوصاً تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اگر ان افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کیا جائے تو دین و دنیا دونوں کے لئے بہت ہی خسارہ کا باعث ہوتا ہے۔

ہندوں اور عیسائیوں وغیرہ میں تو یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں میں بھی ہر دور میں ایسے خرکار نظر آتے ہیں جو تصوف کی آڑ لے کر اپنے سطحی قسم کے مقاصد تک حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

نے احیاء العلوم باب امر بالمعروف، باب المغرورین اور دیگر ابواب میں بالتفصیل ایسے صوفیاء کے عیوب گنوائے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ فسادِ امت کا باعث ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک پوری قوم کی بد اخلاقی کے ذمہ دار نام نہاد علماء ریاکار عُبّاد اور جاہل صوفیہ ہیں۔ آپ کو سب سے زیادہ جس چیز کا رونا ہے وہ ایسے صوفیاء کی حالت ہے۔ احیاء العلوم میں غرور، جاہ، ریا، دنیا پرستی، مطلب براری وغیرہ عیوب نفسانی پر جو مضامین لکھے ہیں سب میں تصریح کی ہے کہ یہ عیوب سب سے زیادہ ان نام نہاد صوفیہ میں ہیں۔ مزید لکھا ہے کہ ان کے سامنے مظالم کی انتہا ہو جاتی تھی مگر سلاطین و امرا کے وظیفہ خوار ہونے کی وجہ سے ان کی رگِ حمیتِ اسلامی بالکل نہ پھڑکتی تھی۔

امام صاحب کی اس حق گوئی کی وجہ سے صوفیہ نے آپ کے خلاف مخالفت کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ آپ کے خلاف سلاطین کو شکایات پہنچائیں۔ آپ کے خلاف پروپیگنڈے کئے مگر آپ تھے کہ ان کو للکارتے تھے۔ عوام کو ان کے مکر و فریب کے جالوں میں پھنسنے سے خبردار کرتے تھے۔ انہیں صحیح تصوف کی چاشنی سے آشنا ہونے کا مشورہ دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر تصوف کی سچی طلب ہے تو میری طرح دشت پیمائی کر کے حقیقت تک پہنچو۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: مجلسِ فکر

یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ۔ تم میری یعنی (محمد علیہ السلام) کی پیروی کرو خدا تمہیں محبوب بنا لے گا۔

بہرحال اس رات کے متعلق حضور علیہ السلام نے قیام کا ارشاد فرمایا۔ قُوْمُوْا لَیْلَھَا اور دن میں روزے کا ارشاد فرمایا۔ صُوْمُوْا نَہَارَھَا۔ اور آپ خود بقول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سارا شعبان روزے رکھتے۔ اور فرمایا شعبان شھری کہ یہ میرا مہینہ ہے۔ البتہ امت کے لیے احتیاط ہے کہ آگے رمضان کے فرض روزے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ شعبان بھر روزے رکھ کر طبیعت مضمحل ہو جائے اور فرضی روزوں میں خلل واقع ہو۔

رہ گیا آپ کا معاملہ تو آپ فرماتے ہیں ابیت عند ربی ویسقین کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اس رات آپ قبرستان تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ شعبان کی اس رات آپ کا قیام میرے ہاں تھا۔ میں نے آپ کو نہ پایا تو دل میں خیال آیا شاید کسی دوسری اہلیہ کے یہاں تشریف لے گئے ہوں لیکن تحقیق پر معلوم ہوا کہ آپ تو بقیع غرقد میں ہیں اور اموات مسلمین کے لیے دعا گو ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم کس حال میں ہیں اور آپ کس حال میں۔

نیز اس رات میں آئندہ سال کے اہم امور کا متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دینا بھی منقول ہے اگرچہ محدثین زیادہ پاس و لحاظ ان روایات کا نہیں فرماتے تاہم فضائل اعمال کا معاملہ ہے اور کچھ نہ کچھ تو ہے ہی۔ حضرت علی رضی فرماتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اس رات سو رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں ۱۱ مرتبہ فاتحہ اور ۱۱ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو اس کی ساری پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔

یہ بھی منقول ہے کہ ساری رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا سے ضرورت مندوں کو بلاتے ہیں اور عطا فرماتے ہیں۔

تو بہرحال یہ اعمال خیر ہیں جو کرنے کے ہیں۔ عبادت کریں، ذکر الٰہی، تلاوت، درود شریف، نوافل جو کر سکتا ہے کرے۔

ایک مغربی (مراکشی) بزرگ نے خواب میں نبی کریم علیہ السلام کو دیکھا، مشکلات کا عرض کیا تو آپ نے فرمایا ۲ رکعت نفل پڑھو، ہر سجدہ میں ۴۰، ۴۰ مرتبہ آیت کریمہ پڑھو لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ تو یہ تو بہت آسانی ہے خدا توفیق دے اور یہ ۲ نفل اس رات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جب چاہیں پڑھیں۔ یہ راتیں زیادہ مقدس ہیں۔ کوشش سے فائدہ ہوتا ہے لازمی بات ہے۔ اس رات کو کھانے پینے اور آتش بازی وغیرہ میں ضائع کرنا بہت بدقسمتی ہے۔ آسمانی اور ارضی آفات کا دور دورہ ہے اس کے لیے صحیح محمدی مسلمان بننا اور اکل کھرا مسلمان بننا اور اجتماعی توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق

کھانے پینے میں حضورؐ کی سنت

حاجی کمال الدین ـــــــ لاہور نمبر ۹

خوراک انسان کے جسم کو طاقت پہنچاتی ہے۔ اور اس کی زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی حلال چیزیں کھانے کی اجازت دے دی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ اگر تم میرے شکر گزار بننا چاہتے ہو تو جو بھی پاک ستھری چیزیں میں نے تمہیں دی ہیں۔ ان کو خوب کھاؤ پیو لیکن شرط یہ ہے کہ پی کر میری ناشکری نہ کرنے لگو۔ بلکہ میرے شکر گزار بن جاؤ۔ اس لئے کہ کھانے پینے کے بعد اگر خدائے تعالیٰ کے شکر کی توفیق مل جائے تو یہ کھانا بھی عبادت میں شمار ہو گا۔ لیکن جب اس میں نفسانی خواہشیں داخل ہو جائیں تو پھر یہ قیمتی قسم کے بیش بہا کھانے اسراف اور گناہ بھی بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ کھاؤ پیو تو ضرور لیکن فضول خرچی اور اسراف نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول خرچی کو پسند نہیں کرتے۔

حضورؐ کی خوراک تو صرف اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیٹ کا قدرتی ضابطہ بنا رکھا ہے وہ پورا ہوتا رہے۔ اور اس کی وجہ سے عبادت کے لئے کمر سیدھی کرنے میں مدد ملے۔ وہاں نفسانی لذات کا تو سوال ہی نہ تھا۔ آپؐ نے تو اختیاری طور پر فقر و فاقہ اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ جس کی بنا پر ہفتوں اور مہینوں آپؐ کے گھر چولہا نہیں جلتا تھا۔ اور حد تو یہ ہے کہ زندگی بھر کبھی جو کی روٹیوں سے بھی مسلسل دو دن پیٹ بھرنا نصیب نہ ہوا۔ بلکہ بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے بارہا ایسا ہوا کہ گھر آ کر پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے۔ جواب ملتا کچھ نہیں۔ تو فرماتے چلو آج ہمارا روزہ ہے۔ علامہ شبلی نے سیرت النبیؐ میں حضورؐ کے جو مرغوبات و معمولات تھے ارشاد فرمائے ہیں۔

اگرچہ ایثار و قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پُرتکلّف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ، شہد حلوہ۔ روغن زیتون۔ کدّو خصوصیت کے ساتھ پسند سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے۔

ایک دن حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ بولیں کہ سرکا ہے۔ فرمایا جس گھر میں سرکا ہو اسے نادار نہیں کہہ سکتے۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے۔ جسے حیس کہتے ہیں یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے۔ آپ کو یہ بہت مرغوب تھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباسؓ۔ سلمیٰؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو حضورؐ کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ ان لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ اور اوپر سے روغن زیتون، زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں۔ پک گیا تو ان کے سامنے رکھا۔ اور کہا کہ یہ آپؐ کی محبوب ترین غذا تھی۔ گوشت کے اقسام میں سے آپؐ نے دُنبہ، بٹیر (حباری)، اونٹ، بکری، بھیڑ، خرگوش اور مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پتلی ککڑیاں پسند تھیں۔ بعض اوقات روٹی کے ساتھ کھجور تناول فرمائی ہے۔ ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا لیتے۔ کشمش، کھجور۔ انگور پانی میں بھگو دیا جاتا۔ کچھ دیر بعد وہ پانی نوش جاں فرماتے۔ کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ دستر خوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے۔ جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے کھانا

کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے۔ میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی۔ عجم اس پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی۔ یعنی اُمراء اور اہلِ جاہ کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس لئے آپؐ نے اس پہ کھانا پسند نہیں فرمایا۔ کھانا صرف ۳ انگلیوں سے کھاتے گوشت کو کبھی کبھی چھُری سے کاٹ کر بھی کھاتے (یعنی جب ٹکڑا بہت بڑا ہوتا) صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ سے روایت کیا ہے کہ میں بچپن میں حضورؐ کی زیرِ تربیت تھا۔ میرا ہاتھ سالن کے برتن میں گھوم رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اے لڑکے بسم اللہ پڑھ کر اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے آگے سے کھاؤ۔ بس اس کے بعد میں نے اسی طرح کھانا شروع کر دیا

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ اور ہر شخص اپنے بالکل آگے سے کھائے۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ تین انگلیوں سے کھایا کرتے تھے۔ جنہیں بعد میں چاٹ لیتے تھے یعنی کھانے میں جاہلوں کی طرح سارا ہاتھ نہیں بھرتے تھے۔ کیونکہ بعض دیکھنے والوں کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ اور ویسے بھی یہ ایک قسم کی بدتمیزی سی معلوم ہوتی ہے کہ بے صبری کے ساتھ سارے ہاتھ کھانے میں بھر لے اور بعد میں انگلیاں اس لئے چاٹ لیتے تھے کہ ان پر کھانے کے جو ذرات لگے ہوئے ہیں ان کی بے ادبی نہ ہو۔ اور چاٹتے وقت دانتوں سے جو تھوک نکل کر معدے میں جاتا ہے وہ ہاضمے کے لئے مددگار ہوتا ہے۔ یہ تین انگلیاں انگوٹھا، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی ہوتی تھی۔

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کبھی نہیں کھاتا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران اسے جب یاد آئے تو وہ بسم اللہ اوّلہٗ وآخرہٗ پڑھ لے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے۔ اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ناپسند ہوتا تو نہ کھاتے

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے گھر میں خیر و برکت ہو تو اسے چاہیئے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بھی وضو کرے۔

تو گویا اسلامی آداب میں سے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے صرف ہاتھ دھونے پر اکتفا نہ کرے بلکہ پُورا وضو کرے۔ اور اگر اتنا تکلف نہ کر سکتا ہو تو کم از کم ہاتھ تو ضرور دھو لے اور کھانے کے بعد وضو کرنے سے مراد غالباً ہاتھ منہ دھو لینا ہے تاکہ کھانے کی چکناہٹ دور ہو۔

حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں بکری کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ (یعنی بُھنی ہوئی) حضور دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور کھانے لگے۔ ایک بدوی کہنے لگا اس طرح بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے عاجز بندہ بنایا ہے۔ مغرور اور متکبّر نہیں بنایا۔ میں تو عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہوں۔ کھانا کھانے کا وقت چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت سے لطف اندوز ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت شکر گزاری اور احسان مندی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنی ظاہری حالت کو بھی بندوں اور غلاموں جیسی بنانا چاہیئے تاکہ رزاقِ حقیقی خوش ہو کر اور زیادہ عطاء کرے۔ یہ نہیں کہ آجکل کے انسان نما ڈنگروں کی طرح میزوں کے اردگرد گھوم پھر کر کھایا جائے۔ جیسے چوپائے اپنی کھرلیوں پہ کھڑے ہو کر کھاتے ہیں۔ مگر ہمارے یہ انگریز کے فیض یافتہ صاحب بہادر تو ہر پلیٹ کا چمچہ بننے کے لئے ساری میزوں کا طواف کرتے ہیں۔ چلتے بھی رہتے ہیں اور اِدھر اُدھر منہ بھی مارتے جاتے ہیں۔ ہائے افسوس۔ مسلمان تیری حالت پہ رونا آتا ہے۔ تجھے اپنے نبیؐ کی سنت سے تو نفرت اور کافر کی سنت سے کس قدر پیار۔ سوچ لے اب بھی مہلت ملی ہوئی ہے۔ جو جس سے محبت رکھے گا۔ حشر بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔ تمہارے کرتوت دیکھ کر اگر خدانخواستہ حضورؐ نے اپنی شفاعت سے محروم کر دیا تو پھر وہاں کس کا وسیلہ تلاش کرو گے۔ آؤ اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی طرح اس رسمِ بد کو توڑ کر بیٹھ کر کھانے کی سنتِ رسولؐ کو زندہ کر دیجیا کہ انہوں نے اسلام آباد میں اپنی نواسی کی شادی کے موقع پر اپنے نبیؐ کی سنت کو زندہ کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب مولانا صاحب

کو پتہ چلا کہ تمام مہمانوں کو سنتِ رسول اور اسلامی تہذیب کے خلاف کھڑے کر کے کھانا کھلایا جائے گا تو آپ نے فرمایا لعنت ہے ایسے کھانے پر یا تو سب کے لئے بیٹھ کر کھانے کا انتظام کیا جائے۔ یا پھر مجھے جانے دیجئے کہ میں انسانیت کی یہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا کہ اچھے بھلے انسانوں کو چوپائیوں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے اس کلمۂ حق کی وجہ سے بڑے بڑے صاحب بہادروں نے پوری طرح سنتِ رسول کے مطابق تو نہیں البتہ حدِ جواز کے اندر کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مولانا صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہر رسمِ بد کے خلاف جہاد کرنے اور متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے کی توفیق بخشے

(آمین ثم آمین)

حضرت سالمؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اوندھے لیٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ خلافِ سنت ہونے کے علاوہ اس طرح کھانے سے بیمار ہونے کا ڈر ہے۔ کیونکہ لیٹنے کے وقت معدہ اپنی طبعی حالت پر نہیں ہوتا ایسے وقت جو چیز اس میں پہنچائی جائیگی۔ وہ اپنی قدرتی جگہ حاصل نہیں کر سکتی۔ اس لئے تکلیف کا سبب بن سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کسی کو چاہیئے داہنے ہاتھ کے ساتھ کھائے۔ داہنے ہاتھ کے ساتھ پیئے، داہنے ہاتھ کے ساتھ پکڑے اور داہنے ہاتھ کے ساتھ پکڑائے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ بائیں سے پیتا ہے۔ بائیں سے دیتا ہے اور بائیں سے لیتا ہے۔

اس کے برخلاف ہمارے ہاں آجکل بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو ماڈرن اور مہذب سمجھا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ جب کسی قوم کی مت مار دیں تو پھر اسے غلط اور ٹھیک، کھوٹے اور کھرے اور بُرے اور اچھے میں کوئی تمیز نہیں رہتی۔ جس ہاتھ کو انسان اپنے استنجوں کی جگہ پر لگاتا ہو اسی سے کھانے پینے پر فخر کرنے لگے تو پھر مت نہیں ماری گئی تو اور کیا ہے افسوس شیطان کی پیروی میں تو یہ لوگ بائیں ہاتھ سے کھا سکتے ہیں۔ مگر اپنے نبیؐ کی اتباع میں یہ دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتے۔ پانی میں بیٹھ کر بسم اللہ پڑھ کر تینوں سانسوں میں پیتے زمزم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑا ہو کر پینے میں ثواب ہے

ام عاصمؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام ہمارے ہاں آئے۔ ہم ایک پیالہ میں کھانا کھا رہے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص پیالہ میں کھانا کھانے کے بعد اسے انگلی سے چاٹ لے تو وہ پیالہ اس کے لئے استغفار کرتا ہے۔ مگر ہم آجکل اپنے ہاں یہ دیکھتے ہیں کہ کھانے کے بعد برتن کو اسی طرح آلودہ حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے کووں یا مرغیوں نے اس میں ٹھونگیں مار مار کر اس کا ستیاناس کر دیا ہو یا بلی، کتے نے کسی کھانے کی چیز کو چغل رکھا ہے۔ اگر اس حدیث کے مخالف مفہوم کا اعتبار کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہمارے کھانے کے تمام برتن ہمارے حق میں بد دعائیں اور لعنتیں کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے حق میں صفائی نہیں کی۔ اور یہ رزق کی بھی بے حرمتی ہے کہ اسے دھو کر گندی نالیوں میں بہا دیا جائے پھر وہ ہمارے لئے بد دعا نہیں کریگا تو اور کیا دعائیں دے گا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی لقمہ زمین پر گر پڑے تو اس پر سے مٹی جھاڑ کر کھا لے کیونکہ اس طرح چھوڑ دینے میں رزق کی بے ادبی اور ایک قسم کے غرور اور تکبر کا اظہار ہے۔ جسے خداوند تعالیٰ پسند نہیں فرماتے

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ معقل بن یسارؓ جو کسی علاقے کے امیر تھے، کھانا کھاتے ہوئے لقمہ ان کے ہاتھ سے گر گیا۔ انہوں نے اٹھا لیا اور پونچھ کر کھا گئے۔ وہاں پر موجود دہقانوں نے اس پر بڑے اشارے کنائے کئے کہ یہ کیسا امیر ہے۔ جو گرے ہوئے لقمے اٹھا کر کھاتا ہے۔ کسی مصاحب نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ امیر کی حالت درست کرے۔ آپ کے لقمہ اٹھانے پر یہ زمیندار لوگ حقارت سے اشارے کنائے کر رہے ہیں۔ کیونکہ کھانا تو کافی تعداد میں آپ کے آگے رکھا ہوا ہے۔"

حضرت معقلؓ نے جواب دیا کہ میں ان جاہل عجمیوں کی وجہ سے اپنے نبیؐ کے اس حکم کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جو میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے۔ یہ ہماری عام عادت تھی کہ جب کسی سے لقمہ گر جاتا تو ہم اسے حکم دیتے کہ وہ اسے اٹھا لے اور جھاڑ کر کھا لے۔ اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ ہم لوگ عام طور پر سنتِ رسول پر عمل کرنے سے اس لئے کتراتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ بیسویں صدی میں ہوتا ہوا بھی چودہ سو سال پہ انے رسم و رواج کا پابند ہے۔ گویا ہمیں آج کل کے

مہذب جاہلین سے تو شرم آتی ہے کہ یہ کیا کہیں گے۔ میرا مذاق نہ اڑائیں گے مگر حضورؐ سے شرم نہیں آتی کہ وہ کیا کہیں گے کہ تم نے چودھویں صدی کے ترقی یافتہ بندروں کی تو لاج رکھ لی مگر جس کا کلمہ پڑھتے تھے اس کی لاج رکھنے کی تمہیں توفیق نہ ہوئی۔ اے اللہ ہمیں بھی حضرت معقلؓ کی طرح سنتِ رسول کی حمیت عطا فرما۔ آمین

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نہ تو کھانے میں پھونک مارتے تھے نہ پینے میں اور نہ ہی برتن میں سانس لیتے تھے۔ سالن، چائے یا دودھ وغیرہ اگر گرم ہو تو ہم اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے پھونکیں مارنے لگ جاتے ہیں۔ یہی خلاف سنت ہے۔ اگر ٹھنڈا ہی کرنا ہو تو اسے ہوا میں رکھ کر ذرا انتظار کر لے یا پنکھا کر کے ٹھنڈا کرے منہ سے پھونکیں نہ مارے کہ یہ دوسروں کے لئے کراہت کا سبب ہے۔ اور آج کل ڈاکٹر لوگ تو اسے انتقالِ جراثیم کا سبب کہیں گے۔ اسی طرح گلاس منہ سے ہٹائے بغیر اس میں سانس لینا بھی اسی کراہت کا سبب ہے۔ اور ایسا کرنے میں حد سے بڑھا ہوا حرص و لالچ بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ شدتِ حرص کی وجہ سے گلاس کو منہ سے ہٹانے کا بھی روادار نہیں اندر ہی اندر سانس لئے جا رہا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ دسترخوان اٹھا نہ لیا جائے۔ اور نہ ہی اپنا ہاتھ پیچھے ہٹائے اگرچہ سیر ہو چکا ہو۔ جب تک کہ سارے لوگ فارغ نہ ہو جائیں اور اگر اسے مزید کھانے کی بالکل گنجائش نہ ہو تو اپنی طرف سے معذرت کر کے ہاتھ پیچھے کھینچے اس لئے کہ آدمی جب اپنے ہم شرب کو اس طرح شرمندہ کریگا۔ تو وہ بھی اپنا ہاتھ اٹھا لینے پر مجبور ہو گا حالانکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو ابھی کھانے کی ضرورت ہو۔ دوسروں سے پہلے دسترخوان سے اٹھ جانا یا ہاتھ کھینچ کے بیٹھ جانا آداب مجلس کے خلاف اور دوسروں کی شرمندگی کا سبب ہے۔ اس لئے اگر بھوک نہ بھی ہو تو بھی مجلس کی موافقت کرنے کے لئے کبھی کبھی ہاتھ لگا لیا کرے کہ دوسرے شرکا، اس خوش فہمی میں مبتلا رہ کر اپنی ضرورت پوری کر لیں۔ کہ ابھی تو سارے ہی کھا رہے ہیں ہم کیوں سیر ہونے سے پہلے ہٹیں۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن حضورؐ کے ساتھ تھے۔ کہ آپ کے سامنے کھانا لایا گیا۔ تو ابتداء کے لحاظ سے کوئی کھانا ہم نے اس سے زیادہ بابرکت نہیں دیکھا اور انتہا کے لحاظ سے کوئی کھانا اس سے زیادہ بے برکت نہ پایا۔ ہم نے عرض کیا۔ حضورؐ یہ کیسے ہوا۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا تھا۔ اللہ نے اس میں برکت دی۔ پھر ایک ایسا شخص آ بیٹھا جس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تو اس کے ساتھ شیطان شریک ہو گیا۔ اس لئے کھانے کی برکت اٹھ گئی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا سب مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ نہ بیٹھو اس لئے کہ برکت خداوندی جماعت کے ساتھ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے میز پر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ اور نہ پلیٹوں میں اور نہ کبھی آپ کے لئے پتلی چپاتی پکائی گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے شاگرد جناب قتادہ سے پوچھا کہ پھر کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے۔ فرمایا کہ انہی چمڑے کے دسترخوانوں پر۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو حضورؐ کی سب سنتوں پر مر مٹنے کا جذبہ عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

پیش کش : جناب ظہور احمد صاحب　　(۹)　　ترتیب : علوی

احسن القصص

افادات : حضرت مولانا علامہ نور الحسن پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

قَالُوْا یَا اَبَانَا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ۔

ابا جان ! بات یہ ہے (اور دیکھیے ، غور فرمایئے ۔ پہلے بھیڑیے کے کھا جانے کا ذکر نہیں کرتے ۔ بلکہ معذرت کرتے ہیں) کہ ہم جنگل میں گئے وہاں دوڑ کا مقابلہ شروع ہوا ۔ ہم سب بھائی دوڑ میں لگ گئے یوسفؑ سے ہم نے کہا کہ تم یہ چادر پانی ، سامان وغیرہ اپنی حفاظت میں رکھو اور تم دوڑ میں حصہ نہ لو ۔ تم چھوٹے ہو ۔ تم یہاں بیٹھے رہو ہمارے سامان کی حفاظت کرو ۔ ابا جان ! بات یہ ہوئی ۔ ہم دوڑ کے مقابلے میں لگ گئے ۔ یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا ۔ ہمارے بعد بھیڑیا آیا اور یوسف کو کھا گیا ۔ اور پھر اندر سے جانتے ہی ہیں کہ جس سے ہم واقعہ کہہ رہے ہیں وہ پیغمبر ہے ۔ اس کے پاس ایسی قوت ہے جس سے وہ صحیح حال کو معلوم کر سکتا ہے ۔ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ والد ہماری بات کا یقین نہیں کرے گا ۔ چنانچہ پہلے ہی کہتے ہیں وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ۔ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں ابا جان ! ہمیں معلوم ہے آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے ۔ آپ ہم کو جھوٹا ہی سمجھیں گے ۔ یقین اس بات کا دلانا چاہتے ہیں کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھا لیا ہے اور یہ واقعہ ہم آپ سے کہہ رہے ہیں ۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ مانیں گے نہیں ۔

پھر کیا کیا ؟ وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص بھی لے آئے ۔ جس کے اوپر جھوٹ موٹ کا خون ، کسی بکری کو ذبح کر کے یا کسی جنگل کی ہرن کو ذبح کر کے اس کے ساتھ خون لگا لیا ۔ اس لیے کہ جب کھایا ہوگا تو ظاہر ہے اس کا خون پیا ہوگا ۔ بہہ کر کہاں گیا ہوگا ۔ قمیص کے ساتھ ہی لگا ہوگا ۔

مؤرخین لکھتے ہیں اور مفسرین نے بھی اس واقعہ کو لیا ہے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے فرزند کی قمیص کو ہاتھ میں لیا جس پر خون لگا ہوا تھا ۔ فرمانے لگے کہ یہ بھیڑیا بھی کتنا اچھا تھا ، کتنا حلیم تھا ، کتنا متین تھا ، کتنا شریف تھا کہ میرے بیٹے کو تو کھا گیا اس کو قمیص کو پھاڑا نہیں ہے ۔ قمیص کہیں سے پھٹی ہوئی نہیں ۔ یعقوب علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مجھے اصل حال کا پوری طرح سے علم ہو گیا ہے ۔ میں جانتا ہوں اصل بات کو کہ اسے کسی بھیڑیے نے نہیں کھایا ۔ اگر بھیڑیا کھاتا تو تم تو صرف خون ہے یہ ثبوت کے لیے ، گواہی کے لیے لے آئے ہو ، وہ کھاتا رہا ، میرے بیٹے کو کھاتا رہا اور قمیص کو بچاتا رہا ۔ وَجَآءُوْا عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۔ برادرانِ یوسفؑ حضرت یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے ۔ اب انہوں نے اپنا بیان اپنے والد کے سامنے دے دیا ۔ دوڑ میں لگ گئے تھے ۔ بھیڑیا آیا اور اس نے یوسفؑ کو کھا لیا ۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قمیص دیکھی ان کی بات چیت کو سنا پھر فرمایا ۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔

جی نہیں اسے کسی بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ یہ بات ایسی ہے جو تم نے اپنے دل سے، اپنے جی سے بنالی ہے۔ بات کوئی اور ہے، بیٹے کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ لیکن بہرحال میرا بیٹا زندہ گیا تھا۔ میری آنکھوں سے دُور ہُوا تھا۔ اب آیا نہیں ہے کوئی راز ہے، کوئی بات ہے۔ کچھ بھی ہو۔ بہرحال میرے لیے مصیبت ہی مصیبت ہے اور میرے لیے سوائے اس کے کیا رہ گیا ہے۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ فصبرٌ جمیل کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ خَبَرٌ لِلْمُبْتَدَاءِ مَحْذُوفٍ۔ مبتدا محذوف ہے فَاَمْرِی صَبْرٌ جَمِيلٌ۔ میرا کام اب صبر جمیل ہے۔ اور کوئی کام نہیں رہ گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے صبر جمیل کو صفت اور موصوف کو مبتدا قرار دے کر کے اس کی خبر محذوف نکالی جائے۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ اَجْمَلُ بِیْ۔ صبر جمیل ہی میرے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اور میں کیا کر سکتا ہوں۔

صبر کے معنے تو آپ جانتے ہیں مصیبت جھیلنے اور برداشت کرنے کے ہوتے ہیں۔ عربی میں صبر جمیل اسے کہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت میں مصیبت کی برداشت سے کام لیا جائے اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے اسے کہتے ہیں صبر جمیل۔ یہ جو اخبارات میں عام طور پر آپ دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں کہ صاحب اللہ تعالیٰ اسے صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مطلب یہ ہوتا ہے، ایسے صبر، ایسی برداشت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کہ اس کے بعد حرف شکایت اس کی زبان پر نہ آئے۔ کیونکہ اگر حرف شکایت اس کی زبان پر آگیا تو اس سے اجر کھو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پھر اجر و ثواب نہیں ملتا۔ اس لیے مصیبت ہی شکایت جو کوئی دوسرے سے کرے گا۔ شکایت کو وہ کوئی رفع کر سکتا ہے۔ مصیبت تو اللہ کی طرف سے ہی بات ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آپ سماعت فرمائیں گے۔ وہ کہتے ہیں

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ میں اپنا غم اندوہ کسی سے نہیں کہتا، اللہ سے کہتا ہوں۔ لیکن جس کی طرف سے مصیبت آئی ہے۔ اس کے بارے میں تو مجھے سوچنا ہے کہ شکایت کروں تو اس سے کروں۔ اللہ جس کو پکڑے وہ کسی سے کیا شکایت کرے گا۔ شکایت تو کی جاتی ہے کسی کی اس سے زیادہ بلند و برتر کے بارے میں۔ اللہ نے جب مصیبت میں ڈالا تو شکایت بھی اسی سے کروں۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ میں اپنے غم و اندوہ کا اظہار، شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔ یہاں بھی میرے لیے یہی ہے صَبْرٌ جَمِيلٌ اَجْمَلُ بِیْ۔ اب میرے مناسب صبر صبر جمیل ہے۔ یوسف نہیں آیا یوسف کی مصیبت مجھ پر پڑی اس کے لیے صبر سے کام لوں گا۔ لیکن صبر کیسے کروں گا۔ مجھ میں ہمت ہے، قوت ہے، میرے اندر دل گردہ ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ بیٹو! جو حال تم بیان کرتے ہو، وہ تو بڑی مصیبت ہے۔ تو پھر اللہ ہی سے مدد مانگوں گا، مجھ کو صبر کی توفیق دے۔

غور فرمایا۔ پہلے کہا۔ صَبْرٌ جَمِيلٌ۔ اس میں اس بات کا اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی ہمت اور قوت پر اعتماد ہے کہ کوئی بات نہیں، مصیبت ہے بڑی مصیبت ہے۔ میں بھی بڑا قوی العزم ہوں۔ میں صبر سے کام لے سکتا ہوں۔ نہیں۔ پیغمبر نے فوراً کہا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ بیٹو! جو حال تم بیان کرتے ہو۔ جس مصیبت کا ذکر تم کرتے ہو۔ اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ۔

ادھر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس اندھے کنوئیں میں کتنا وقت رہنا پڑا۔ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ مؤرخین کا بیان ہے اور تورات کا بیان ہے کہ تین دن تک ان کو کنوئیں میں رہنا پڑا۔ چوتھے دن پھر قافلہ آیا۔ وہ قافلہ کن لوگوں کا تھا اور کدھر کو سفر کے لیے جا رہا تھا؟ یہاں

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

کوثر کی تحقیق

عبدالرحمن لدھیانوی
شیخوپورہ

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ (سورۃ ۱۰۸ — ۱)
اے پیغمبرؐ ! بے شک ہم نے آپ کو کوثر دی۔

تفسیر :-
کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں۔ یعنی بہت زیادہ بھلائی اور بہتری۔

یہاں اس سے کیا چیز مراد ہے؟ "البحر المحیط" میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کئے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی اور دنیاوی نعمتیں۔ اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ کو یا آپ کے طفیل میں اس امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں، ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے۔ اور جس کے پانی سے آپ اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے۔

حوض کوثر کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حد تواتر تک پہنچ چکا ہے۔ ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے، احادیث میں اس کی عجیب و غریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔

بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں کی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہو گی اور اسی کا پانی میدان حشر میں لا کر کسی حوض میں جمع کر دیا جائے گا۔ دونوں کو کوثر ہی کہتے ہوں گے۔

واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب (حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ)

۲۔ کوثر کے لغوی معنی بہت زیادہ کے ہیں جس سے مراد خیر کثیر ہے، یہ لفظ بڑا وسیع المعانی ہے اور ہر قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے۔

مفسرین نے ہر ایک چیز کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے۔ اس لئے اس بارے میں ان کے پندرہ قول ہیں جنکو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے

(۱) وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیح وارد ہیں۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہو گی، اور کسی کو پانی نہ ملے گا۔ العطش العطش پکاریں گے، نبی کریمؐ کو ایک حوض۔ عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑائی سینکڑوں کوس ہو گا۔ اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ جو ایکبار پیئے گا۔ اس کو عرصہ میں پیاس نہ لگے گی۔

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ و اہلبیت لوگوں کو پلائیں گے تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے، جو سعید ہیں، اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اور شقی محروم کئے جائیں گے۔ یہ اس حکمت الہیہ کا مظہر ہے۔ جو آپ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی۔ اور حوض دل کا مظہر، حوض کوثر ہو گا جس کی وسعت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پلانے والے وہی لوگ تھے جو دنیا میں [illegible] کے جام پلاتے تھے، پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوض حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پیئے گا۔ اور جو بدبخت یہاں محروم رہا وہاں بھی محروم رہے گا۔ اللھم اسقنا من حوضه یہ ہے وہ حوض کوثر کا سر ہے۔ جو کچھ فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا، کوثر وہ جنت کی نہر ہے۔ جو آپ کو شب معراج میں دکھلائی گئی تھی، جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے، آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا، پھر آپ نے جبرئیل سے پوچھا، کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا۔ کہ یہ وہی کوثر ہے۔ جو اللہ نے آپ کو دیا۔ (رواہ البخاری و مسلم وغیرہ) یہ بھی اس نہر جنتی کا مظہر ہے۔ جو آپ کے حوض قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی، اور حوض دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔

(۲) اولاد کی کثرت سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی، بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں ہر قوم سے زائد ہے۔ حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہیں پھیلی اور دن بدن ترقی ہے، اور ایک وقت آنے والا ہے۔ کہ تمام دنیا اکثر حصہ میں

آپ ہی کی ذریت ہوگی قریب اسلام لے آئیں گی۔

(۳) علما اور اولیا سو یہ بھی ایک خیر کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہل کمال گذرے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور آئندہ کو بھی ہوں گے جو بمنزلہ انبیائے بنی اسرائیل کے ہیں۔ وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں تک ختم ہوا۔ ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحب پیدا ہوا ہو، جس کے کرامات و کمالات انہیں کے اعجاز د شمار ہوتے ہوں اور در اصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوش نویس ہے اس کی خوش نویسی کی اولاد صلبی فرزند ہیں۔ دیکھا گیا جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد ... رشید فرزند کمال ہے۔ اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالات نبوت اور اس کے برکات ہوں۔ اور یہی سر ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کے جانشین یوشع بن نون ہوئے جو ان کے فیض نبوت کے فرزند رشید تھے، حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد آپ کے روحانی فرزند اکبر ابو بکر صدیق جانشین قرار پائے جن کی نسبت آپ نے یہ فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا۔ میں نے ابو بکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہے گی۔

(۵) نبوت عظمیٰ سو یہ اعلیٰ وجہ کی خیر کثیر ہے۔ یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ کوئی بھی تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا اس قدر برکات و انوار غلبیہ کسی کے ظاہر ہوئے۔ اور نہ کسی پر سلسلہ نبوت بغیر آپ کے تمام ہوا۔

(۶) قرآن مجید ہے یہ بھی خیر کثیر ہے جس کے برکات کا کوئی شمار نہیں۔

(۷) کوثر دین اسلام ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔

(۸) وہ فضائل روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔

(۹) آپ کی رفعت ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی خیر کثیر ہے۔ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔

(۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیئے گئے۔

(۱۱) کوثر آپ کا خلق عظیم ہے۔ اور درحقیقت اخلاق حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔

(۱۲) کوثر مقام محمود ہے۔ جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔

(۱۳) کوثر یہ سورہ مبارک ہے تین آیات ہیں۔ اور بے شمار مطالب کو حاوی ہیں۔ اور جس کا مقابلہ عرب کے کسی شاعر بلیغ سے نہ ہو سکا، مشہور ہے۔ کہ جاہلیت میں فصحا و بلغا اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا۔ تفاخر سے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لٹکا دیتے تھے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو حیرت میں رہ گئے۔ اور سب نے اپنے کلام اتار لئے پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ اس کے اوپر یہ لکھ دیا ماھذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوت بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے، اور یہ اعجاز ہے۔ اور خیر کثیر ہے۔

(۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرتؐ کو عطا ہوئیں

(۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقام قرب ہے، جس سے اوپر اور کوئی مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔

در اصل یہ سب اقوال اسی پہلے خیر کثیر کی تفسیرات ہیں،

(تفسیر حقانی)

(۲) درّ المنثور میں ارشاد ہے کہ بے شک ہم نے آپ کو کوثر (ایک حوض کا نام بھی ہے۔ اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے جس میں خیر ... دنیا یعنی بقائے دین و ترقی اسلام جو کہ موجب کثرت اجر ہے۔ و خیر آخرت یعنی مراتب قرب و درجات علیا سب داخل ہے کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں۔ اور اس خیر کثیر میں وہ حوض بھی داخل ہے۔ جو اسی نام سے مشہور ہے۔ صحاح میں دونوں تفسیریں ہیں۔ اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا آیا ہے۔

(بیان القرآن حضرت مولانا تھانویؒ)

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ میرا حوض ایک مہینہ کے راستہ کے برابر بڑا ہے۔ اس کے کونے بھی اتنے ہی ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے۔ اس پر آسمان کے تاروں کے برابر پیالے موجود ہیں جو شخص اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا۔

(باقی ص ۲۶ پر)

قرآن ہمارے لئے راہ ہدایت ہے جو ہماری زندگی کے لئے مشعلِ راہ بھی ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی کو بڑے احسن طریقے سے گزار سکتے ہیں۔ قرآن حکیم فرقانِ حمید ہماری زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔ ہمیں کھانے پینے رہنے سہنے کے طور طریقے اور اداب سکھاتا ہے۔ اور ہماری ملکی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور تعلیم و تربیت کے لئے بہت ہی مؤثر قانون ہے جو ہماری زندگی کو سنوارنے اچھے سے اچھے احکام صادر فرما کر ہمیں انسانیت کی معراج تک پہنچاتا ہے۔ تو میں عرض کر رہی تھی کہ ہمارے اندر طعنہ دینا۔ نام دھرنا۔ عیب نکالنا۔ مضحکہ اڑانا، اور ٹٹول ٹٹول کر اور کرید کرید کر کوئی ایسا راز تلاش کرنا جسے اوروں سے پوشید رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ بھی بہت بُری بات ہے کہ منہ پھاڑ کر کسی کو بُرا کہنا۔ بچے کانا پھوسی، شک و شبہ کسی پر ناحق تہمت لگانا۔ اپنا عیب دوسروں کے سر تھوپنا۔ ہر وقت بے حیائی کی باتوں کے متعلق سوچنا بہت بڑی بات ہے۔ جس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ جگہ جگہ فرماتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے!

قرآن کا ارشاد ہے کہ :۔

ولا تجسسو ولا یغتب بعضکم بعضاً ط ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً مکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم ہ پ۲۶ الحجرات

ترجمہ :۔ اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے بُرا کہو۔ بھلا تم سے کوئی اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو یقیناً تم کو گوارا نہیں تو پھر غیبت کیوں گوارا ہو کہ یہ بھی تو ایک قسم کا مردار ہے۔ اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اب آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔ کہ غیبت کرنا اپنے سگے بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ مولانا حالیؔ اس چیز کے پیشِ نظر ہماری موجودہ حالت کی تصویر کھینچتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہے
کہ آلودہ اس خون میں ہر بشر ہے
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگزر ہے
نہ مُلا نہ صوفی کو اس سے حذر ہے
اگر نشۂ مے ہو غیبت میں پنہاں
تو ہشیار پائے نہ کوئی مسلماں۔

اس سے پتہ چلا کہ کسی کی غیبت کرنا بہت بُری بات ہے۔ آگے چل کر پھر ارشادِ خداوندی ہے کہ :۔

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم ؕ و کان اللہ سمیعاً علیماً ہ

اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی کسی کو منہ پھوڑ کر بُرا کہے مگر جس پر کسی طرح کا ظلم ہوا ہو۔ اور وہ ظالم کو منہ پھوڑ کر بُرا کہہ بیٹھے تو معذور ہے۔ اور اللہ سب کو سنتا اور جانتا ہے۔ پ۶ النساء

دوسری جگہ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

یا یھا الذین امنو لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم ج پ۷ المائدۃ

ترجمہ :- اے مسلمانوں! بہت باتیں کرید کرید کر نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔ کیونکہ بعض ایسی راز دار باتیں ہوتی ہیں جن سے فتنہ فساد بڑھنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور جو انسانیت کے منافی بھی ہوتی ہیں۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ :-

یاایھا الذین امنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوی واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون ۰ انما النجوٰی من الشیطٰن لیحزن الذین امنوا ولیس بضارھم شیئاً الا باذن اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ۰ پ ۲۸ المجادلۃ -

جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے -

مسلمانو! جب تم آپس میں ایک دوسرے کے کان میں بات کرو تو یہ گناہ ہے۔ اور لوگوں پر بے جا زیادتی کرنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی باتیں ایک دوسرے کے کان میں نہ کیا کرو۔ ہاں کسی مصلحت سے نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں ایک دوسرے کے کان میں کہو تو مضائقہ نہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور میں تم قیامت کے دن حساب کے لئے جمع کئے جاؤ گے کانا پھوسی تو ایک شیطانی حرکت ہے، کہ مومن اس کی وجہ سے آزردہ خاطر ہوں حالانکہ بے اذن خدا کسی کی کانا پھوسی ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ کسی مسلمان پر کسی حد تک شک کرنا چاہئے تو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ۔

یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ؕ پ

مسلمانو! لوگوں کی نسبت بہت شک کرنے سے بچے رہو کیونکہ بعض شک کرنا داخل گناہ ہے۔

عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ لوگوں پر جھوٹی تہمت لگا کر پریشان کرنے کی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔ کہ

والذین یؤذون المومنین والمومنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبیناً پ ۲۲ الاحزاب

اور جو لوگ مسلمان مرد ان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی قصور نہ کیا ہو جھوٹی تہمت لگا کر ایذا دیتے ہیں۔ وہ جھوٹ اور اس طوفان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر بیٹھے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر ناحق تہمت لگا کر انہیں پریشان کرتے ہیں۔ وہ اسی بہت بڑے گناہ کا بوجھ جھوٹی تہمت لگا کر اپنی گردن پر ڈال لیتے ہیں۔ جیسے خود گناہ کرکے دوسرے کو ملوث کرنے کے بارے آتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ومن یکسب خطیئۃ او اثماً ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بھتاناً واثماً مبیناً ۰ پ النساء

اور جو شخص کسی خطا، یا گناہ کا مرتکب ہو پھر وہ اپنے قصور کو کسی بے گناہ پر تھوپ دے تو اس نے بہتان اور گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر ڈال لیا پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جہاں بے حیائی کی باتیں ہوتی ہوں وہاں مسلمان کو کرنا چاہئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن ۰ پ الانعام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جہاں بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان میں سے کسی کے پاس نہ پھٹکنا — پھر ارشاد ہوتا ہے۔

واذا مروا باللغو مروا کراماً ۔ الفرقان اور جو اتفاقاً بیہودہ مشاغل کے پاس سے گزریں تو وضعداری کے ساتھ گزر جائیں، جیسے دیکھا، سنا ہی نہیں اس طرف دھیان ہی نہ دیں۔

ان بے حیائی کی باتوں نے اور بیہودہ مشاغل نے ہمارے لاکھوں گھرانے بگاڑ دیئے ہیں۔ جو گھر دولت سے مالا مال تھے وہاں اب خاک اڑتی ہے۔ اگر قوم کی دینی تعلیم سے غفلت برتی گئی۔ تو ابھی نہ معلوم کیا کیا روز بد دیکھنے پڑیں گے تو پھر جاہلوں کے متعلق آتا ہے۔

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین :-
پ الاعراف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور لوگوں سے نیک کام کرنے کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ پھر فرمایا کہ جہاں جاہل جہالت کی باتیں کریں تو مسلمان کو کیا کرنا چاہئے۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھوناً وخاطبھم

الجٰھلون قالو سلٰما پ۱۹ الفرقان

ترجمہ:۔ اور خدا کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے
ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے ملیں تو وہ ان کو سلام کرکے الگ
ہو جائیں پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ کیا مسلمان کو بے یقینی بات پر عمل
کرنا چاہیئے؟ جس کی کوئی دلیل ہی نہ ہو۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد
کل اولئک کان عنہ مسئولا پ۱۵ بنی اسرائیل

ترجمہ:۔ اے قرآن کے سننے والے اور اے قرآن پاک
کی تلاوت کرنے والے جس بات کا تجھ یقینی علم نہیں یا جو بات
تو نے کہیں پڑھی نہیں اس پر قیاس آرائی نہ کر اس پر بحث
مباحثہ نہ کر (انکل پچو) اس کے پیچھے نہ ہو لے کر۔ کیونکہ تیرے
کان آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ گچھ
ہوگی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھی
خبر لائے۔ تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ قرآن فرماتا
ہے۔

یا ایھا الذین امنو ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا ان
تصیبو قوما بجھالۃ فتصبحو علی ما فعلتم ندمین:۔
پ۲۶ الحجرات

ترجمہ:۔ مسلمانو! اگر کوئی بدذات تمہارے پاس کوئی خبر
لائے تو اسے اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی
سے تم کسی قوم پر جا چڑھو پھر اپنے کئے پر پشیماں ہونا پڑے۔
اگر تم کو کوئی درغلانے کی غرض سے یا آپس میں لڑانے کے لئے
کوئی ایسی بات آکر سنائے جو تم کو ناگوار گزرے مگر تمہیں
اچھی طرح اس کی چھان بین کرنا ہوگی۔ کہ یہ بات کہاں تک
درست ہے۔ سچ ہے یا جھوٹ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر
کوئی تمہاری طرف پیغام صلح بھیجے تو اس کے ساتھ مسلمانوں
کو کیا کرنا چاہئے تو حق تعالے فرماتے ہیں۔ کہ:۔

والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا
پ۵ النساء اور جو لوگ تمہاری طرف پیغام صلح ڈالیں تو ایسے
لوگوں پر دست درازی کرنے کا تمہارے لئے اللہ تعالے نے
کوئی راستہ نہیں رکھا مطلب یہ کہ اگر مخالف پارٹی تم کو
صلح کا پیغام بھیجے تو تمہیں اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے کیونکہ
ایسا جواز اسلام میں اللہ تعالے نے روا نہیں رکھا۔ ارشاد
ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالے کی آیتوں کی اگر ہنسی اڑائی جائے
تو مسلمان کو کیا کرنا چاہیے ذرہ ذرہ ملاحظہ ہو۔

وقد نزل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم ایٰت اللہ یکفر بھا
ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہٖ
انکم اذا مثلھم پ۵ النساء

ترجمہ:۔ حالانکہ تم مسلمانوں کو اللہ تعالے نے اپنی کتاب (یعنی
قرآن مجید) میں یہ حکم دیا ہے۔ کہ جب تم اپنے کانوں سے سنو
کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی ہنسی اڑائی
جا رہی ہے۔ تو ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ
کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ ورنہ اس صورت میں تم بھی
انہی جیسے کافر ہو جاؤ گے۔ جہاں قرآن ہمیں کھانے پینے اور رہنے
سہنے کے آداب سکھاتا ہے۔ وہاں ہمیں مجلسوں میں بیٹھنے کے آداب
بھی سکھاتا ہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایھا الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحو
یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزو فانشزو یرفع اللہ الذین
امنو منکم والذین اوتوا العلم درجٰت واللہ بما
تعملون خبیر:۔ پ۲۸ المجادلۃ

ترجمہ:۔ مسلمانو! اگر تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو۔
تو کھل بیٹھا کرو۔ کہ خدا تم کو بہشت میں فراغت جگہ دے گا۔ اور
جب تم سے کہا جائے اپنی جگہ اٹھ کھڑے ہو اور دوسری جا بیٹھو
اور اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ کہ تم لوگوں میں سے جو لوگ پورا ایمان لائے
اور جن کو علم مجلس دیا گیا ہے۔ اور وہ آداب مجلس بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔
اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو سب کچھ
معلوم ہے۔ آگے اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم کو کسی سے بحث
کرنی پڑے تو کس انداز سے کرو تو ارشاد ہوتا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم
بالتی ھی احسن پ۱۴ النحل

اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے
ہیں کہ ان لوگوں کو عقل و دانش اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے
پروردگار کے راستہ کی طرف بلاؤ اور اگر کسی سے بحث بھی کرو تو
ایسے طور پر کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو جو سننے
والے کو متاثر کر سکے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جب تم ایک دوسرے
کے گھروں میں داخل ہو تو کیا کرو فرمایا:

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم تحیۃ من عند اللہ
مبارکۃ طیبۃ کذلک یبین اللہ لکم الایٰت لعلکم تعقلون،

پ النور

تو جب تم اپنے گھروں میں جانے لگو تو گھر کے لوگوں کو سلام کیا کرو (سلام علیک) دعائے خیر ہے۔ جو تم مسلمانوں کو خدا کی طرف سے تعلیم دی گئی ہے۔ برکت والی عمدہ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام تم سے کھول کھول بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو فرمایا، جب بھی تم اپنے گھروں میں داخل ہو اور گھر والوں کو اسلام علیکم کہا کرو کہ تم سلامت رہو پھر وہ کیسے جواب دیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا ان اللہ علی کل شئ حسیبا پ النساء

ترجمہ:- اور مسلمانوں جب تم میں سے کسی پر بھی سلام کیا جائے تو تم اس کے جواب میں اس سے بہتر طریقے سے سلام کر دیا کرو یا کم سے کم ویسا ہی جواب دو۔ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے اگر تم کہو کہ اسلام علیکم کہ تم پر سلامتی ہو تو وہ جواب میں یوں کہے گا۔ کہ وعلیکم السلام کہ بھائی تم پر بھی سلامتی ہو، اگر یوں کہو کہ اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ جس کا مطلب ہے سلامتی ہو تم پہ اور رحمت اور برکت ہو۔ تو جو دینے والا بھی یہی کہے گا کہ بھائی تم پر بھی سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ دیکھو خداوند کریم نے گھر میں داخل ہونے کے آداب بھی سکھا دیئے کیونکہ قدرت کے ہر قانون میں بھلائی اور نیکی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پڑھنے سننے سمجھنے اور اسی پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین (باقی آئندہ)

بقیہ: کوثر کی تحقیق

(۲) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا حوض مقام ایلہ اور عدن کے مابین راستہ سے زیادہ بڑا ہے۔ برف سے زیادہ سفید اور دودھ ملے ہوئے شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں۔ میں اس حوض سے غیر لوگوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح آدمی اپنے حوض سے دوسرے شخص کے اونٹوں کو روکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ہم کو قیامت کے روز پہچان لیں گے، فرمایا ہاں تم میں اس وقت ایسے نشانات ہوں گے۔ جو کسی دوسرے میں موجود نہیں ہوں گے۔ تمہاری پیشانی اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے۔

دوسری روایت ہے کہ اس پر تم کو سونے اور چاندی کے گفتا بے آسمان کے تاروں سے زیادہ نظر آئیں گے۔

تیسری روایت ہے، حوض کے پانی کے متعلق حضورؐ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس میں بہشت کے دو پرنالے گرتے ہیں ایک ان میں سے سونے کا ہے۔ اور ایک چاندی کا ہے۔

(۳)۔ حضرت سہیل ابن سعدؓ کا بیان ہے۔ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا میں حوض کوثر پہ تمہارا پیش خیمہ ہوں، جو شخص میرے پاس آئے گا۔ وہ پیئے گا۔ اور جو اس کا پانی پیئے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ میرے پاس ایک گروہ آئے گا میں پہچانوں گا۔ اور وہ مجھکو پھر میرے اور ان کے درمیان میں ایک آڑ ہو جائے گی۔ میں کہوں گا یہ لوگ میرے گروہ میں داخل ہیں۔ کہا جائے گا۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا فعل کئے ہیں۔ اس وقت کہوں گا۔ جس نے میرے بعد کوئی تغیر اختیار رکھے۔

بقیہ: احسن القصص

اس نے پڑاؤ ڈالا اور پھر اپنے سقے کو پانی کے لیے بھیجا۔ اور وہاں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح برآمد ہوئے۔ یہ انشاء اللہ العزیز آئندہ درس میں بیان ہو گا۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حضرت معاذ بن جبلؓ ایک بلند پایہ کے صحابی ہیں — قیصر روم کے دربار میں وہ سفیر بن کر گئے تھے۔ رومی سردار نے قیصر کے جاہ وجلال، شان و شوکت، ثروت وسطوت سے ان کو مرعوب کرنا چاہا۔ لیکن صحابہ کرامؓ پر اسلامی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ حضرت معاذؓ نے اس کے مقابلہ میں امیر اسلام کے اختیارات و امتیازات کی جن الفاظ میں تصویر کھینچی ہے۔ وہ صد بار قابل دید ہے۔

وَاَمِيْرُنَا رَجُلٌ مِّنَّا اِنْ عَمِلَ فِيْنَا بِكِتَابِ دِيْنِنَا وَسُنَّةِ نَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم اَقْرَرْنَاهُ عَلَيْنَا وَاِنْ عَمِلَ بِغَيْرِ ذَالِكَ عَزَلْنَاهُ عَنَّا وَاِنْ هُوَ سَرِقَ قَطَعْنَا يَدَهُ وَاِنْ زَنٰى جَلَدْنَاهُ اَوْ رَجَمْنَاهُ وَاِنْ شَتَمَ رَجُلًا مِّنَّا شَتَمَهُ بِمَا شَتَمَهُ وَاِنْ جَرَحَهُ اَقَادَهُ مِنْ نَفْسِهِ وَلَا يَحْتَجِبُ مِنَّا وَلَا يَتَكَبَّرُ عَلَيْنَا وَلَا يَسْتَأْثِرُ عَلَيْنَا فِيْ فَيْئِنَا الَّذِيْ اَفَاءَهُ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَهُوَ كَرَجُلٍ مِّنَّا (فتوحات ازدی)

ہمارا سردار ہم ہی میں کا ایک فرد ہے اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں اور اگر زنا کرے تو کوڑے ماریں یا سنگسار کریں اور اگر وہ کسی کو گالی دے تو وہ اس کو اسی طرح گالی دے اور اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے۔ ہم سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا، وہ ہم سے غرور نہیں کرتا، مال غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ وہ ہم جیسا ایک معمولی آدمی کا درجہ رکھتا ہے۔